جناب شبیر احمد خاں غوری

اسلام کی علمی تاریخ میں
علّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف کا مقام

سیالکوٹ کی خاک مردم خیز نے دو باکمال پیدا کیے۔ پچھلے زمانہ میں علّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور عہد حاضر میں علّامہ اقبال۔ دونوں شہرت وعظمت کے آسمان پر علم وفضل کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ ان میں سے موخرالذکر پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر مقدم الذکر پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی گیارھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ملا محمود جونپوری (جن کا "شمس بازغہ" آج بھی اسلامی فلسفہ کی ادبیات عالیہ میں اپنا مقام رکھتا ہے) کے ہم عصر اور حریف تھے۔ مگر جب ایران کے مقابلے میں ہندوستان کے کھوئے ہوئے علمی وقار کی بحالی کا سوال درپیش ہوا تو بادشاہ (شاہجہاں) اور وزیر (علامی سعداللہ خاں) دونوں کی جوہرشناس نگاہوں نے اس کڑی کمان کے زہ کرنے کے لیے علامہ سیالکوٹی ہی کا انتخاب کیا۔

علامہ کی فیض رسانیوں کا آغاز تو عہد جہانگیری ہی سے ہو چکا تھا، مگر عہد شاہجہانی میں یہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا چنانچہ ہم عصر مورخ عبدالحمید لاہوری نے "بادشاہ نامہ" میں لکھا ہے:

"در ایام سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بعضرو ۔ یات معیشت درساخته عزلت گزین بود۔ دریں دولت خداداد که بازار دانش رواج دیگر گرفته است و کار دانشوران از سر، اسباب رفاهیت حال و فراغت بال فراہم دارد۔ چند ده در بست برسم سیورغال بدو مرحمت شده۔"

(بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۴۱)

اسی طرح میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"چوں نوبت دارائی ہندوستان بہ صاحب قران ثانی شاہجہاں انار اللہ برھانہ رسید، طائفہ علما و شعرا ارا رواجے دیگر پیدا آمد، ملا دریں عہد بار ہا خود را بدرگاہ خلافت رسانید۔ ہرگاہ وارد حضور می گردید، برعایت نقود نامحدود مخصوص می گشت و دو بار بزر سنجیدہ شد و مبالغ ہم سنگ بہم از رفت و چند قریہ برسم سیورغال انعام شد۔ ملا بحضور خاطر و فراغ بال در وطن مالوف اقامت داشت و تخم فضل و علم در سینہ ہا مستعدہ یا می کاشت۔"

(مآثر الکرام صفحہ ۲۰۴۔ ۲۰۵)

اور قدرشناس بادشاہ نے بھی اس باکمال کی جگر کاویوں کو دل کھول کر صلہ دینے میں کوئی بخل روا نہ رکھا چنانچہ نقد اور جاگیر کے علاوہ علامہ کو دو مرتبہ چاندی میں تلوایا گیا۔

لیکن کیا یہ سب کچھ ایک استبداد پسند بادشاہ کی خود آرائی اور اسراف کا نتیجہ تھا؟ یقیناً نہیں۔ علامہ کی جن جگر کاویوں کو دربار میں اس قدر افزائی کا مستحق سمجھا گیا، اسی پایہ کی تھیں۔ بعد کے جوہر شناس مبصروں نے اس کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ میر غلام علی آزاد نے علامہ کی تصانیف کے بارے میں لکھا تھا:

"تصانیفش در بلاد عرب و عجم سائر و دائر است۔"

عہد حاضر میں مولانا عبدالحی نے لکھا ہے:

وتصانيفه كلها مقبولة عند العلماء محبوبة اليهم ولا سيما عند علماء بلاد الروم يتنافسون فيها وهي جديرة بذلك

(نزهة الخواطر المجلد الخامس صفحہ ۲۱)

اور ان کی جملہ تصانیف علما کے نزدیک مقبول ہیں اور وہ انھیں عزیز رکھتے ہیں، بالخصوص علمائے روم جو ان کے بارے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ تصانیف اس بات کی مستحق ہیں۔

لیکن سب سے بڑا قاضی خود زمانہ ہے اور اس نے حتمی طور پر توثیق کر دی ہے کہ علامہ کی جگر کاویاں اسی تبصرہ کی مستحق ہیں۔ علوم عربیہ کی کساد بازاری کے باوجود علامہ کی تصانیف ہنوز درس میں متداول ہیں۔ پھر ان کے ساتھ یہ غیر معمولی اعتنا صرف ہندوستان ہی میں نہیں کیا گیا، بیرون ہند بھی انھیں اسی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی تصانیف مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں بڑی آب و تاب سے شائع کی گئی ہیں۔

علامہ نے درس و تدریس کے ذریعہ تشنگان علم و حکمت کو جو فیض پہنچایا، اس سے استفادہ کرنے والوں میں ہندوستانی طلبہ کے علاوہ بیرون ہندوستان کے دانش جو بھی تھے یا نہیں، اس کی تفصیل تاریخ نے محفوظ نہیں رکھی۔ ہمارا خیال ہے رہے ہوں گے۔ مگر تصنیف و تالیف کے ذریعہ انھوں نے اسلامی ادب کی ثروت میں جو اضافہ کیا آج بھی اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

علامہ نے "الدرۃ الثمینۃ" کے سوائے، جس کا دوسرا نام "الرسالۃ الخاقانیۃ" بھی ہے، متداول درسی کتابوں پر شروح و حواشی لکھنے ہی پر اکتفا کیا۔ مگر یہ شروح و حواشی محض رسمی شروح و تحشیہ ہی کے مصداق نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے فنون کے اندر ادبیات عالیہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے اسلامی فکر کی ثروت میں بیش بہا اضافے ہوئے ہیں۔

اس بات کی وضاحت کے لیے مستحسن معلوم ہوتا ہے کہ جن متون و شروح کے شرح و تحشیہ کو علامہ نے اپنی تحقیقات علمیہ کا موضوع بنایا تھا، سب سے پہلے اسلامی ادب میں ان کا مقام متعین کیا جائے کہ آیا وہ اس توجہ و اعتنا کی مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد بیرون ہندوستان اور خود ہندوستان میں ان کے ساتھ جو اعتنا کیا گیا، اُس کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جائے۔ اس اجمالی جائزے کے بعد ہی علامہ کی جگر کاویوں کی داد دی جا سکتی ہے۔

مختلف مورخین اور تذکرہ نگاروں نے علامہ کی تصانیف کے نام لکھے ہیں۔ مگر سب سے مفصل اور مبسوط فہرست میر غلام علی آزاد بلگرامی نے دی ہے۔ چنانچہ حسب تصریح "مآثر الکرام" (مصنفہ آزاد بلگرامی) علامہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

"حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مقدمات تلویح، حاشیہ مطول، حاشیہ شریفیہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح شمسیہ، حاشیہ حاشیہ عبدالغفور، تکملہ حاشیہ عبدالغفور، حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ شرح عقائد ملا جلال دوانی، درۃ ثمینہ در اثبات واجب تعالیٰ، حواشی در کنار شرح حکمۃ العین، حواشی در کنار شرح ہدایۃ الحکمہ، حواشی در کنار مراح الارواح۔" (مآثر الکرام صفحہ ۲۰۵)

ان میں سے ہر کتاب کے متعلق علامہ کی جگر کاویوں سے پہلے اس کے پس منظر کا اجمالی تذکرہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:

(الف) تفسیر

حاشیہ تفسیر بیضاوی

تفسیر بیضاوی کا ماخذ

"تفسیر بیضاوی" جس کا پورا نام "انوار التنزیل واسرار التاویل" ہے، قاضی ناصر الدین بیضاویؒ (المتوفی ۶۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ زمخشری کی تفسیر "کشاف" (پورا نام "الکشاف عن حقائق التنزیل") کا گویا "شستہ ایڈیشن" ہے۔

"کشاف" اپنے اعتزال کی تبلیغ کے باوجود ابتدا ہی سے نہ صرف معتزلی حلقوں میں بلکہ اہل السنت والجماعت کے یہاں بھی درس میں متداول رہی ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ چلپی نے اس کی مقبولیت کے بارے میں لکھا ہے:

"ولما كان كتاب الكشاف هو الكافل فى هٰذا الفن اشتهر فى الآفاق واعتنى الائمة المحققون بالكتابة عليه فمن مميز لاعتزال جاد فيه عن صوب الصواب ومن مناقشين له فيما اتى به من وجوه الاعراب ومن محش وضح ولغز واستشكل واجاب ومن مخرج لاحاديثه عزا واسند وصحح وانتقد ومن مختصر لخص واوجز۔"

اور چونکہ کتاب کشاف اس فن (وجوہ بلاغت) کو متضمن تھی اس لیے بہت جلد دنیا میں مشہور ہو گئی اور ائمہ محققین نے اس کے ساتھ غیر معمولی اعتنا برتا۔ کچھ لوگوں نے اس کے اعتزال کو بے نقاب کیا، کچھ لوگوں نے اس کے بیان کردہ وجوہ اعراب میں قیل و قال کی، کچھ محشیوں نے اس کی وضاحت کی اور مختلف مقامات پر اشکال وارد کر کے ان کے جواب دیے۔ کچھ محدثین نے اس میں مذکور احادیث کی تخریج و تصحیح کی اور کچھ لوگوں نے اس کا اختصار کیا۔" (کشف الظنون مطبوعہ استنبول، جلد ثانی ص ۲۱۱)

* * *

خود زمخشری کو اپنی اس تفسیر کی عظمت کا احساس تھا، چنانچہ وہ کہا کرتا تھا،

ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد ولیس فیها لعمری مثل كشافی

ان كنت تبغی الهدی فالزم قرآته فالجهل كالداء والكشاف كالشافی

دنیا میں تفسیریں بے شمار ہیں، لیکن اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری کشاف کے مانند کوئی نہیں ہے۔

لہذا اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو اس کے پڑھنے کو لازم کر لو کیوں کہ اگر نادانی مرض کے مانند ہے تو تفسیر کشاف شفا بخش طبیب کی طرح ہے ۔

بہر حال ابن منیر اسکندروی (المتوفی ۶۸۳ھ) نے اس کے اعتزال کو بے نقاب کرنے کے لیے "الانتصاف" لکھی جس میں وجوہ اعراب کے باب میں بھی مناقشہ کیا۔ دوسرے علما نے اس پر حواشی و تعلیقات لکھے جن میں قطب الدین شیرازی، فخر الدین جاربردی، شرف الدین طیبی، قطب الدین رازی، اکمل الدین بابرتی، سعد الدین تفتازانی اور میر سید شریف کی مساعی خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ روم و مصر کے دیگر مشاہیر علما و فضلا نے بھی اس پر حواشی لکھے۔

ہندوستان میں بھی اسلامی ثقافت کے آغاز سے ہی علما و اولیا کی اعتزال بیزاری کے باوجود "کشاف" کے ساتھ اعتنا برقرار رہا اور یہ درس میں متداول رہی۔ خانقاہی حلقوں میں اس کے مبغوض ہونے کا اندازہ "فوائد الفواد" کی حسب ذیل مجلس سے لگایا جا سکتا ہے:

"روز چہار شنبہ بست و چہارم ماہ رجب سنہ مذکور (۷۱۳ھ) بشرف پا بوس رسیدہ شد۔ سخن در تفسیر کشاف افتاد ..... از نسبت این تفسیر سخن، صاحب تفسیر کشاف اعتقاد و عقیدہ او۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر بر لفظ مبارک راند کہ در اینجا با چنداں علوم و روایات عقیدہ باطل داشت ..... بعد ازاں حکایت فرمود کہ از مولانا صدر الدین کوفی شنیدم کہ او گفت: من وقتے بر مولانا نجم الدین سامی می بودم۔ از من پرسید، بچہ مشغول باشی؟ گفتم بمطالعہ تفسیر۔ پرسید کہ کدام تفسیر؟ گفتم کہ کشاف و ایجاز و عمدہ۔ مولانا نجم الدین گفت: کشاف و ایجاز را بسوز، ہاں عمدہ را باش۔ مولانا صدر الدین مے گوید: مرا این سخن دشوار آمد۔ باو گفتم: چرا چنیں می گوئی؟ گفت: شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہم چنیں گفتہ است۔ مولانا صدر الدین می گوید کہ مرا این سخن گراں آمد۔ چوں شب درآمد، ہر سہ کتاب پیش چراغ خواندم۔ ایجاز کشاف زیر نہادہ بودم و عمدہ بالائے ہر دو کتاب۔ دریں میان درخواب شدم۔ ناگاہ شعلہ برخاست۔ آنکہ بیدار شدم کشاف و ایجاز کہ ہر دو فرو بودند، سوختہ شدند و عمدہ سلامت بماند۔" (فوائد الفواد۔ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹)

لیکن اس اعتزال بیزاری کے باوجود "کشاف" درس میں متداول رہی کیونکہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید عقیدت کیش مولانا علاء الدین نیلیؒ مولانا فرید الدین شافعیؒ سے جو اودھ کے شیخ الاسلام تھے "کشاف" پڑھا کرتے تھے اور مولانا شمس الدین یحییؒ اور دیگر علمائے اودھ اس کے درس میں سامع رہتے تھے چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

"مولانا علاء الدین نیلی . . . . پیش مولانا فرید الدین شافعی کہ شیخ الاسلام اودھ بود، کشاف می خواند۔ مولانا شمس الدین یحییٰ و علمائے اودھ سامع بودند۔" (اخبار الاخیار صفحہ ۹۹)

امیر خورد ؒ نے "سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ مولانا علاء الدین نیلی ؒ "کشاف" اور "مفتاح" کے غوامض بیان کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ درس کے علاوہ تحشیہ کے ساتھ بھی "کشاف" سے اعتنا کیا جاتا تھا، چنانچہ سید محمد بن یوسف حسینی ؒ نے جو تیموری حملے کے دوران میں دہلی سے دکن چلے گئے تھے حسب تصریح "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" (صفحہ ۲۷۵ مصنفہ مولانا عبدالحی ندوی) پانچ جلدوں میں اس پر حاشیہ لکھا تھا۔

تفسیر بیضاوی کی تصنیف اور علما کا اعتنا

"کشاف" بڑی ضخیم تفسیر ہے۔ لہذا بہت سے علما نے اس کے اختصار لکھے۔ ان میں شیخ محمد بن علی انصاری (المتوفی ۷۲۲ھ)، قطب الدین شیرازی اور مولیٰ عبدالاول بن حسین الشہیر بام ولاد المتوفی ۰۵۵ھ) کے مختصرات زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن قبول عام صرف قاضی ناصر الدین بیضاوی ؒ کی "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ہی کو نصیب ہوا چنانچہ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

وسید المختصرات منه کتاب انوار التنزیل للقاضی العلامة ناصر الدین عبدالله البیضاوی لخصه واجاد وازال عنه الاعتزال وحرّر واستدرك واشتهر اشتهار الشمس فی وسط النهار۔ فعکف علیه العاکفون۔

(کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۳۱۴)

اور کشاف کے جو اختصار لکھے گئے، ان میں کا سر سبد قاضی علامہ ناصر الدین عبداللہ بیضاوی کی انوار التنزیل ہے، جس میں انھوں نے کشاف کو مختصر کر کے اس کے اعتزال کو دور کیا ہے، اسے از سر نو مرتب کیا ہے اور اس کی کوتاہیوں کا تدارک کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب آفتاب نصف النہار کی طرح مشہور ہو گئی اور اہل ذوق نے اس کے ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا۔

دوسری جگہ اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولتفسیره هذا الکتاب عظیم الشان غنی عن البیان لخص فیه من الکشاف ما یتعلق بالاعراب والمعانی والبیان ومن التفسیر

اور ان کی یہ تفسیر ایک عظیم الشان کتاب ہے جو تعریف سے مستغنی ہے۔ کشاف کے اندر جو کچھ اعراب اور معانی و بیان سے متعلق ہے، انھوں نے اس میں اسے مختصر

الکبیر ما یتعلق بالحکمة والکلام ومن تفسیر الراغب ما یتعلق بالاشتقاق وغوامض الحقائق ولطائف الاشارات وضم الیه ما ورد من زوائد فکرہ۔ (کشف الظنون جلد اوّل ص۱۸۸)

کرکے داخل کیا ہے۔ نیز تفسیر کبیر میں جو کچھ حکمت وکلام سے متعلق ہے اسے نقل کیا ہے اور تفسیر راغب اصفہانی میں جو کچھ اشتقاق سے متعلق ہے یا حقائق صوفیا کے دقائق و لطائف ہیں، انھیں ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ اپنے طبع زاد نکات بھی بیان کیے ہیں۔

آگے چل کر علما نے اس کے ساتھ جو اعتنا کیا ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان ھذا الکتاب رزق من عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ بحسن القبول عند جمہور الافاضل والفحول فعکفوا علیہ بالدرس والتحشیة" (ایضاً)

اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے عامۂ اہل علم کے درمیان غیر معمولی حسن قبول نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کے ساتھ درس اور تحشیہ کے ذریعے غیر معمولی اعتنا کیا۔

چنانچہ شروع ہی سے علما نے اس پر حواشی وتعلیقات لکھنا شروع کیے۔

آٹھویں صدی کے ان محشیوں میں شیخ ابوبکر بن محمد بن الصائغ (المتوفی ۷۱۴ھ) اور شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی (المتوفی ۷۸۶ھ) مشہور ہیں۔

نویں صدی کے علما میں افاضل روم نے اس کے ساتھ خاص طور سے اعتنا کیا۔ ان میں مولیٰ مصلح الدین (ابن التجید) سید احمد بن عبداللہ القریمی، مولیٰ نورالدین حمزہ قرامانی (المتوفی ۸۷۱ھ) مولیٰ سنان الدین یوسف البردعی اور مولیٰ محمد بن فراموز (ملاخسرو المتوفی ۸۸۵ھ) قابل ذکر ہیں۔ علمائے توران میں سے محمد بن کمال الدین تاشکندی نے اس پر حاشیہ لکھا۔

دسویں صدی کے اندر علمائے روم میں سے مولیٰ محمد بن مصطفیٰ بن حاج حسن (المتوفی ۹۱۱ھ)، سعدی آفندی (المتوفی ۹۴۵ھ) مولیٰ محی الدین قونوی (المتوفی ۹۵۱ھ) مولیٰ مصطفیٰ بن شعبان، (المتوفی ۹۶۹ھ) مولیٰ عبدالکریم زادہ (المتوفی ۹۷۵ھ) مولیٰ بستان آفندی (المتوفی ۹۷۷ھ) مولیٰ سنان یوسف بن حسام الدین (المتوفی ۹۸۶ھ) نے، علمائے مصر وشام میں سے قاضی زکریا بن محمد انصاری (المتوفی ۹۱۰ھ) اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اور علمائے عجم و ماوراء النہر میں سے عصام الدین بن عرب شاہ اسفرائنی (المتوفی ۹۴۳ھ) مصلح الدین لاری (المتوفی ۹۷۷ھ)

اور ملا عوض (المتوفی ۹۹۴ھ) نے حواشی لکھے۔

اور گیارھویں صدی میں (جو علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے ظہور و بلوغ اور فیض رسانی کا زمانہ ہے) جن لوگوں نے ہندوستان سے باہر اس کتاب پر حواشی لکھے، ان میں زکریا بن بہرام القروی (المتوفی ۱۰۰۱ھ) احمد بن روح اللہ انصاری (المتوفی ۱۰۰۹ھ) ملا حسین خلخالی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) صدرالدین شیروانی (المتوفی ۱۰۲۰ھ) محمد بن عبدالغنی (المتوفی ۱۰۳۶ھ) ہدایت اللہ العلائی (المتوفی ۱۰۳۹ھ) اور محمد بن موسیٰ البسنوی (المتوفی ۱۰۴۶ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

ہندوستان میں تفسیر بیضاوی کا رواج

غالباً ہندوستان میں تفسیر بیضاوی کا رواج دسویں صدی ہجری کے وسط سے ہوا ہے۔ اس سے پہلے درس میں "کشاف" ہی متداول تھی۔ ویسے دسویں صدی سے پہلے ہندوستان میں دو تفسیریں اور لکھی گئی تھیں: آٹھویں صدی میں "تفسیر تاتارخانی" اور نویں صدی میں "تفسیر بحر مواج"۔ اول الذکر عہد فیروز تغلق (۷۵۲ - ۷۹۰ھ) کے مشہور عالم و فاضل امیر تاتارخاں کی مرتب کردہ تھی۔ اس کے بارے میں شمس سراج عفیف نے لکھا ہے:

"تفسیر تاتارخانی کہ در جہاں مشہور است، آں تفسیر جمع کردۂ تاتارخاں بود۔ چنیں گویند راویان روایات و حاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند۔ تمام تفاسیر را جمع کنانیدہ، جماعۂ علما را حاضر گردانیدہ۔ در ہر آیتے و کلمہ آں قدر مفسران گزشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند، تاتارخاں آں جمیع اختلاف در تفسیر خویش نوشتہ بود۔ براے تغییر بدل و جان درنشست۔ و در ہر یک اختلاف حوالہ بیان صاحب تفسیر کردہ۔ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ۔ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ، تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ۔"

(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۲۹۱)

ثانی الذکر (تفسیر بحر مواج) کو نویں صدی کے نصف اول میں جونپور کے اندر ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے لکھا تھا۔ اس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے:

"بحر مواج: تفسیر قرآن مجید کردہ بعبارت فارسی۔ در وے بیان ترکیب و معنی فصل و وصل دادہ است۔"

بہرحال تفسیر بیضاوی غالباً دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر آئی۔ اسی صدی میں محقق

دوانی (المتوفی ۹۰۸ھ) کے شاگرد ہندوستان میں آئے اور اس کے بعد تفسیر بیضاوی کے ساتھ اعتنا شروع ہوا۔ چنانچہ خطیب ابوالفضل گازرونی نے جو محقق دوانی کے شاگرد تھے، مگر بعد میں گجرات چلے آئے تھے، اس تفسیر پر حاشیہ لکھا۔ محقق دوانی کے دوسرے شاگرد ملا عماد طارمی تھے۔ وہ بھی خطیب ابوالفضل کی طرح گجرات آگئے تھے، جہاں ان سے شیخ وجیہ الدین گجراتی نے پڑھا تھا۔ شیخ وجیہ الدینؒ بڑے کثیر الدرس اور کثیر التصنیف عالم تھے۔ انھوں نے بھی اپنے اساتذہ کی روایت کو برقرار رکھا اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔ محقق دوانی کے ایک اور شاگرد خواجہ جمال الدین محمود تھے۔ ان کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی تھے، جنھوں نے خواجہ جمال الدین کے علاوہ مولانا کمال الدین شیروانی، مولانا احمد کرد اور میر غیاث الدین منصور سے بھی پڑھا تھا۔ وہ پہلے ایران سے دکن تشریف لائے اور پھر اکبر کی طلب پر ہندوستان چلے آئے انھوں نے ہی علمائے ولایت کی کتب معقولات کو لاکر ہندوستان میں رواج دیا۔ انھوں نے "تفسیر بیضاوی" پر بھی حاشیہ لکھا۔

امیر فتح اللہ کے شاگرد ملا عبدالسلام لاہوری تھے جنھوں نے درس و تدریس کی دھن میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی۔ پھر بھی قلیل التصنیف ہونے کے باوجود تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔ (مآثر الکرام صفحہ ۲۳۶)۔ ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد مفتی عبدالسلام دیوی تھے جو علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے معاصر اور حریف تھے۔ انھوں نے بھی اپنے اساتذہ کی روایت کا تتبع کیا اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔ (مآثر الکرام صفحہ ۲۲۶)

دیگر علمائے ہندوستان میں سے شیخ عیسٰی بن عثمان سندی برہان پوری، شیخ صبغۃ اللہ بن روح اللہ الحسینی الگجراتی، شیخ شمس الدین بیجاپوری، شیخ طیب بن عبدالواحد بلگرامی، شیخ عبداللہ دہلوی، شیخ طاہر بن رضی ہمدانی، قاضی نور اللہ شوستری، میر محمد ہاشم گیلانی اور قاضی محمد آصف الہ آبادی نے تفسیر بیضاوی پر حواشی لکھے۔

علامہ کے حریفوں میں سے مفتی عبدالسلام دیوی کے علاوہ شیخ یعقوب بن یوسف البنانی خفے دہلی ہیں اور ملا حسین کو جو نے کشمیر میں تفسیر بیضاوی پر حواشی لکھے چنانچہ موخر الذکر کے بارے میں صاحب "واقعات کشمیر" نے لکھا ہے:

"ملا حسین کو جو در انواع علوم مشار الیہ بودہ حواشی او بر تفسیر بیضاوی فوائد و نکات عالیہ افادہ می کند"

کشمیر میں تو اس زمانہ میں "تفسیر بیضاوی" کا خصوصیت سے رواج تھا۔ بعض علما کو یہ حفظ تھی چنانچہ صاحب "واقعات کشمیر" نے ملا ابوالحسین المعروف لبنا ہم بابا کے بارے میں لکھا ہے:

"ملا ابوالحسن معروف بنا ہم بابا در علوم متعدد مجدد بود ..... عبارت تفسیر قاضی بیضاوی و حاشیہ عصام الدین مثل قرآن بے درنگ می خواند" (واقعات کشمیر و: ق ۱۲۲ ب)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا تفسیر بیضاوی کے ساتھ اعتنا

علامہ عبدالحکیم بھی وقت کے عام دستور کے مطابق "تفسیر بیضاوی" کا درس دیتے تھے۔ وہ اس کی اہمیت سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے جو "تفسیر بیضاوی" کا حاشیہ لکھا ہے، اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

"ان التفسیر العتیق والبحر العمیق المسمی بانوار التنزیل للامام الھمام قدوۃ علماء الاسلام سلطان المحققین برھان المدققین القاضی ناصر الدین عبد اللہ البیضاوی قد استنھز العلماء بحل مشکلاتہ واسھر الاذکیاء احداقھم لفتح مغلقاتہ الا انہ لوجازۃ العبارات واحتوائہ علی الاشارات جل ان یکون شریعۃ لکل وارد وان یطلع علیہ الا واحد بعد واحد"

وہ قدیم تفسیر اور (علوم قرآنیہ کا) عمیق سمندر جس کا نام انوار التنزیل ہے اور جو امام ہمام قدوہ علمائے اسلام، محققین کے بادشاہ اور دقیقہ سنجوں کی برہان ناصر الدین عبد اللہ بیضاوی کی تصنیف ہے۔ علمائے کرام اس کی مشکلات کے حل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اذکیائے روزگار نے اس کے مغلقات کی توضیح کے لیے اپنی آنکھوں کو شب بیداری کرائی ہے لیکن یہ کتاب اپنی عبارتوں کے ایجاز کی بنا پر اور اشارات علمیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس بات سے کہیں بلند ہے کہ ہر اترنے والے کے لیے پانی کا گھاٹ بن جائے (ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجائے) اور یکے بعد دیگرے لوگ اس کے دقائق و غوامض پر مطلع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ کچھ تو اپنی وسعت مطالعہ اور کچھ جودت قریحہ کی بنا پر انھوں نے یہ بھی معلوم

کرلیا کہ وہ اس کے غوامض و مغلقات کی شرح و توضیح سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں لیکن احباب نے ان کے اس دعوے کو مجرد سننے کے تسلیم نہیں کیا، بلکہ امتحاناً چند اشکالات ان کے سامنے پیش کیے جن کا انھوں نے اطمینان بخش حل پیش کیا۔ فرماتے ہیں:

"فقلت لهم ايها الخلان الدينيه والاخوان الروحانيه انی آنست ناراً بوادی هذا الكتاب آتيكم منها بقبسٍ لعلكم تصطلون. فاستكشفوا منی بعض مظان بسه فعرضت لهم ماورد فی خلده عند درسه من حل يفيد برد قلوب اولی الابصار وزيادات وقعت الظفرة عنها۔"

پس میں نے اپنے احباب سے کہا کہ اے دینی دوستو اور اے روحانی بھائیو! میں نے اس کتاب کی وادی میں آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے کچھ انگارے لاتا ہوں تاکہ تم اس سے تاپ سکو تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کے بعض ان مقامات کی، جہاں شکوک وشبہات کا ظن ہے، وضاحت کر دوں۔ پس میں نے ان کے آگے ان فوائد کو پیش کیا جو اس کتاب کو پڑھاتے وقت میرے دل میں آئے۔ یہ مسائل ایسے حل تھے جن سے اولی الابصار (اہل علم) کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے نیز جو ان زیادات پر مشتمل تھے جن پر مجھے دسترس ہوئی۔

* * *

اب کیا تھا، ہر طرف سے ان غوامض کے حل و توضیح کے لیے تقاضا ہونے لگا۔ مگر بے سروسامانی نے احباب کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ فرماتے ہیں:

فاقترحوا ان تقييد هذه الاوابد تذكرة للاحباب النظار فعللتهم بتفرق البال وتشتت الحال اذ كنت مطروحاً بمكان قفر جل بضاعتی فيه فقر۔

تو انھوں نے اصرار کیا کہ ہر شخص کے قابو میں نہ آنے والے ان دقائق و غوامض کو قلم بند کروں تاکہ وہ اہل نظر احباب کے لیے ایک تذکرہ ثابت ہوں۔ پس میں نے اس سے پراگندگی خاطر اور بے اطمینانی کا بہانہ کیا، کیوں کہ میں اس زمانہ میں ایک بنجر مقام میں پڑا ہوا تھا، جہاں میری سب سے قیمتی پونجی فقر اور بے سروسامانی تھی۔

یہ جہانگیر کا عہد حکومت تھا، جب کہ دیگر فضلائے روزگار کی طرح علامہ بھی درباری سرپرستی سے محروم تھے۔ لیکن جب شاہ جہاں کا زمانہ آیا اور اس نے علمائے وقت کی قدردانی شروع کی اور علماء

کے تبحرِ علمی سے متاثر ہو کر انھیں صلات و جوائز سے نوازنا شروع کیا تو علامہ دوستوں کے تقاضے کو پھر نہ ٹال سکے۔ فرماتے ہیں:

حتی جذاب صنیعی وجمع شتات عمری دولة السلطان ....ابوالمظفر شهاب الدین محمد شاه جهان بادشاه.... وهوت بعین عنایته ملحوظا وبين اعیان الناس مغبوطاً. فعیت فی العلل وضاقت علی الحیل. فشرعت فی جمع ما سمح به خاطری العلیل وذهنی الکلیل .... جاداً فی تحقیق معانیه باحثاً عن رموز مبانیه مومیاً فی اثنائه الی اجوبة شکوک الناظرین .... فجاءت بعون الله کنزاً لا یحصی فوائده وبحراً لا یفنی فرائده۔

یہاں تک کہ سلطان ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ کی دولت نے مجھے کھینچ لیا اور میری پراگندگی طبع کو اطمینانِ خاطر سے بدل دیا.... اور میں اس کی عنایت کی آنکھوں کا منظورِ نظر ہو گیا اور اعیانِ ملک میں محسودِ اقران بن گیا۔ اب بہانہ سازی میرے سامنے عاجز ہو گئی اور حیلے حوالے میرے اوپر تنگ ہو گئے۔ یعنی اب دوستوں سے پراگندگیٔ طبع و انتشارِ خاطر کا زیادہ بہانہ نہیں کر سکتا تھا، پس میں نے ان نکات و فوائد کے جمع کرنے کی ابتدا کی جو میری بیمار طبیعت اور کند ذہن میں آئے تھے..... لیکن ان کی ترتیب و تدوین میں میں نے تحقیقِ معانی کو پیشِ نظر رکھا اور ان کے بنیادی مسائل کے رموز سے بحث کرتا رہا اور اس تحریر کے اندر ناظرین کے شکوک و شبہات کے جواب کی طرف اشارہ کرتا رہا..... پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسا خزانہ ظہور میں آیا جس کے فوائد کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور ایسا سمندر جس کے موتی ختم نہیں ہو سکتے۔

اس طرح پہلے پارہ کی تفسیر کا حاشیہ ختم ہوا جسے علامہ نے شاہجہاں کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔ فرماتے ہیں:

"ثم لمّا فرغت من تسوید ما یتعلق بتفسیر الجزء الأول..... جعلته عراضة لسدة السنیة وتحفة

پھر جب پہلے پارہ کی تفسیر سے متعلق حواشی کے قلم بند کرنے سے فارغ ہوا..... تو میں نے اسے بادشاہ شاہجہاں کے بلند آستانہ کے لیے پیش کش اور اس کی

لخدمۃ العلیۃ ؒ   خدمت عالی کے لیے تحفہ بنایا۔

اور جب یہ پیش کش قبول شاہجہانی سے مشرف ہوئی تو پھر علامہ نے پوری تفسیر پر حاشیہ مکمل کیا اور اس طرح عہد شاہجہانی کا یہ درشاہوار ظہور میں آیا۔ جس نے یہ مقبولیت حاصل کی کہ تفسیر بیضاوی کے بے شمار حاشیوں میں سے جو ہندوستان کے اندر لکھے گئے، مصر کے اہل نظر نے صرف علامہ ہی کے حاشیہ کو منتخب کیا۔ یوں بھی علامہ عبدالحکیم کے اس "حاشیہ تفسیر بیضاوی" کے علاوہ مصر و روم کے فضلا نے نامدار کے حواشی میں سے صرف دو تین حاشیوں ہی کو اہل نظر کی نگاہوں میں یہ شرف قبول نصیب ہو سکا کہ وہ زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔

مصر کے علاوہ علامہ کا یہ "حاشیہ تفسیر بیضاوی" ہندوستان میں بھی شائع ہوا ہے۔

(ب) اصولِ فقہ

حاشیہ مقدمات تلویح

"تلویح توضیح" اصولِ فقہ کی بڑی مستند کتاب ہے۔ اس کا متن "تنقیح الاصول" علامہ صدر الشریعہ کی تصنیف ہے۔ بعد میں انھوں نے اس پر "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے عنوان سے شرح لکھی، جس پر آٹھویں صدی کے وسط میں تفتازانی نے "تلویح" کے نام سے حاشیہ لکھا اور کچھ دن بعد یہی حاشیہ اصول فقہ کی مستند درسی کتاب کی حیثیت سے مدارس کے اعلیٰ نصاب میں داخل ہو گیا اور کم از کم ہندوستان میں آج کے دن تک داخل ہے۔

علم اصولِ فقہ کا آغاز و ارتقا

اصول فقہ کا بانی حسب تصریح ابو ہلال العسکری واصل بن عطاء الغزال (المتوفی ۱۳۱ھ) تھا۔ چنانچہ وہ "کتاب الاوائل" میں لکھتا ہے:

"قال ابوعثمان رحمہ اللہ ... واصل ابن عطا .... وھواول من قال الحق یعرف من وجوہ اربعۃ: کتاب ناطق وخبر مجتمع علیہ وحجۃ عقل واجماع	جاحظ نے کہا ہے کہ .... واصل بن عطا .... پہلا شخص ہے جس نے کہا کہ حق چار طرح پہچانا جاتا ہے: کتاب ناطق (قرآن)، متفق علیہ خبر (حدیث صحیح)، حجت عقل (قیاس)، اور اجماع امت۔ اسی نے پہلے لوگوں کو

من الأمة واوّل من علم الناس کیف
یجیٔ الاخبار وصحتها وفسادها واول من قال
الخبر خبران: خاص وعام "

نقل احادیث اور ان کے صحیح اور فاسد ہونے کا علم سکھایا اور بتایا کہ خبر کی دو قسمیں ہیں: خاص اور عام۔
(کتاب الاوائل بحوالہ المذہب الذرہ عند المسلمین صفحہ ۱۲۴)

بعد میں اس فن کے اندر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ ان کے مصنفین کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، متکلمانہ مسلک کے پیرو اور فقیہانہ انداز کے متبع۔

اول الذکر کے سلسلے میں اُمہات کتب چار ہیں: عبدالجبار معتزلی کی "کتاب العہد" ابوالحسین البصری کی "شرح کتاب العہد" امام الحرمین جوینیؒ کی "کتاب البرہان" اور امام غزالی کی "مستصفی الاصول"۔ ان چاروں کتاب کے مطالب کو امام رازی نے "کتاب المحصول" میں جمع کیا۔ "کتاب المحصول" کا اختصار سراج الدین ارموی نے "محصل" کے نام سے اور تاج الدین ارموی نے "حاصل" کے نام سے کیا۔ امام رازی کے علاوہ کتب اربعہ کا دوسرا ملخص سیف الدین آمدی نے "کتاب الاحکام" میں کیا۔

امام رازی کی "کتاب المحصول" اور سیف الدین آمدی کی "کتاب الاحکام" کے مقدمات کو کچھ اضافوں کے ساتھ شہاب الدین قرافی نے "تنقیحات" میں مدون کیا۔ بعد میں قاضی ناصر الدین بیضاوی نے ان کی مدد سے "منہاج الاصول" لکھی۔ سیف الدین آمدی کی "کتاب الاحکام" کی ابن حاجب نے پہلے "المختصر الکبیر" میں اور پھر "المختصر الصغیر" میں تلخیص کی۔

فقیہانہ رنگ میں سب سے پہلی مشہور کتاب ابوزید دبوسی کی "تنقیح الادلہ" ہے۔ کچھ دن بعد قاضی فخر الاسلام بزدوی نے "کشف الاسرار" لکھی جو "اصول بزدوی" کے نام سے عرصہ تک قبل مغلیہ ہندوستان کے نصاب میں شمول رہی۔ جو ان "بزدوی خواں" "العالم الالمعی و الفاضل اللوذعی" کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا صدرالدین ناولی مولانا ظہیرالدین بھکری سے "اصول بزدوی" پڑھا کرتے تھے۔ غالباً سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ نے بھی اس کتاب کو باقاعدہ پڑھا تھا اور وہ اس کے غوامض عویصہ پر قادر تھے۔ عموماً علمی محافل میں اس کتاب کے "مسائل مشکلہ" پر بحث رہا کرتی تھی۔ اس لیے اکثر علما نے اس پر حواشی تحریر کیے۔ ان میں ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا نام خصوصیت سے مشہور ہے جن کا زمانہ نویں صدی کا نصف اول ہے۔ اصول فقہ کی دوسری متداول کتاب "حسامی" تھی

جس پر مولانا معین الدین عمرانی نے حاشیہ لکھا تھا۔

تلویح توضیح کی تصنیف

اصول بزدوی کی وضاحت صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود المحبوبی (المتوفی ۷۴۷ھ) نے "التنقیح" میں کی۔ اس کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے امام رازی کی "کتاب المحصول" اور "اصول ابن حاجب" سے بھی مدد لی۔ چنانچہ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"لما رأیت فحول العلماء مکبین .... علی مباحثہ أصول الفقہ للشیخ ... فخر الاسلام علی البزدوی .. ووجدت بعضھم طاعنین علی ظواھر الفاظہ ... اردت تنقیحہ ... وحاولت ... تبیین مرادہ وتفھیمہ وعلی قواعد المعقول تامبہ وتقسیمہ موردا "محصول" فیہ زبدۃ مباحث المحصول وأصول الامام ... ابن حاجب مع تحقیقات بدیعۃ وتدقیقات غامضۃ ملیعۃ تخلو الکتب عنھا سالکا فیہ مسلک الضبط والایجاز"

جب میں نے دیکھا فحول علما فخر الاسلام بزدوی کی کتاب سے شغف رکھتے ہیں اور میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے کہ اس کی ظاہری عبارتوں پر معترض ہیں تو میں نے اس کی تنقیح کی کوشش کی اور بہ انداز معقول اس کے معانی کے بیان میں سعی کی۔ اس کے ساتھ اس میں "محصول" امام رازی اور "اصول ابن حاجب" کے اہم مباحث کا اپنی تحقیقات بدیعہ اور تدقیقات غامضہ کے ساتھ اضافہ کیا جو دوسری کتابوں میں کم [illegible] ساتھ ضبط و اختصار کو بھی ملحوظ رکھا۔

(تلویح توضیح نول کشوری صفحہ ۱۹-۲۰)

بعد ازاں انھوں نے "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے نام سے اس متن کی شرح لکھی۔ لیکن یہ شرح بجائے خود وضاحت طلب تھی۔ لہذا علماء نے اس پر حواشی لکھے جن میں سب سے زیادہ قبول عام سعد الدین تفتازانی کے حاشیہ "تلویح" کو حاصل ہوا۔ علامہ تفتازانی نے یہ حاشیہ حسب تصریح "کشف الظنون" ۷۵۸ھ میں لکھا تھا۔

"تلویح" کے ساتھ ہندوستان سے باہر اعتنا

"تلویح" نے جلد ہی ممالک اسلامیہ کے مدارس میں خصوصی مقبولیت حاصل کر لی اور علما نے اس کے ساتھ غیر معمولی اعتنا برتنا شروع کیا۔ مشاہیر حاشیہ نگاروں میں برہان الدین احمد بن عبد اللہ سیواسی، مولیٰ علاء الدین طوسی، مولیٰ خسرو، مولیٰ مصنفک، مولیٰ حسن چلپی فناری، مولیٰ محی الدین محمد سامسونی،

ابن کمال پاشا، محی الدین بردعی، محی الدین قراباغی نیز مولیٰ یوسف بالی، مولیٰ خضر شاہ، مولیٰ عبدالکریم، مولیٰ لطفی، مولیٰ مصلح الدین قسطلانی روم کے اندر اور میر سید شریف اور مولانا معین الدین توفی عجم کے اندر مشہور ہیں۔

تلویح توضیح ہندوستان میں

ہندوستان کے اندر قدیم زمانہ میں "اصول بزدوی" کا رواج تھا۔ اس کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ محمد تغلق کے زمانہ میں "حسامی" کا نام بھی سننے میں آتا ہے چنانچہ مولانا معین الدین عمرانی نے حسب تصریح مآثر الکرام اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔ بعد میں "المنار" بھی مروج ہو گئی چنانچہ جب آٹھویں صدی ہجری کے نصف ثانی میں فیروز تغلق نے حوض خاص پر مدرسہ فیروز شاہی تعمیر کیا اور اس میں قطب الدین رازی کے شاگرد مولانا جلال الدین رومی کو صدر مدرس مقرر کیا تو دوسرا مدرس سید یوسف بن سید جمال کو بنایا۔ سید یوسف بن سید جمال نے "المنار" کی شرح کی چنانچہ محدث عبدالحق دہلوی "اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں:

"سید یوسف بن سید جمال الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ..... بر منار نیز شرحے دارد مسمیٰ بتوجیہ الافکار"

(اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۶)

"تلویح توضیح" کا رواج غالباً نویں صدی ہجری سے شروع ہوا جب کہ یہاں کے علما تفتازانی سے پڑھ کر آئے۔ بہرحال "تلویح توضیح" پر سب سے پہلے ہندوستان میں شیخ وجیہ الدین گجراتی کے حاشیہ کا ذکر ملتا ہے۔ دوسرے محشی شیخ یعقوب بن حسن صوفی ہیں جو فضلائے کشمیر میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی، شیخ محمد عاشق چڑیا کوٹی، اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحب زادے شیخ عبداللہ لبیب نے "تلویح توضیح" پر حواشی لکھے۔ متاخرین میں مولانا جمال الدین ابن رکن الدین گجراتی، شیخ امان اللہ بنارسی اور قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی کے نام اس کے تحشیہ کے لیے مشہور ہیں۔

تلویح توضیح کے مقدماتِ اربعہ

"تلویح توضیح" کا سب سے اہم حصہ "مقدماتِ اربعہ" ہیں جو "حسن و قبح افعال" کے مسئلہ کی توضیح میں صدر الشریعۃ کا خصوصی کارنامہ گنے جاتے ہیں۔ یوں تو یہ بحث مسئلہ جبر و اختیار کے سلسلے میں

علم کلام کے اندر آتی ہے مگر اصول فقہ میں بھی اس سے تعرض کیا جاتا ہے۔ صدر الشریعۃ حنفی المذہب تھے اور اس لیے اس مسئلے میں اشاعرہ کے "کسب" سے متفق نہ تھے۔ لہذا انھوں نے اس مسئلہ کی وضاحت نئے انداز سے کی اور اپنے موقف کی بنیاد چار مقدموں پر رکھی۔ چنانچہ پہلے تو انھوں نے مسئلہ "حسن وقبح افعال" کی اہمیت کو بتایا:

"ھذہ المسئلة من أمھات مسائل الاصول ومھمات مباحث المعقول والمنقول ومع ذلك ھی مبنية علی مسئلة الجبر والقدر الذی زلت فی بوادیھا اقدام الراسخين وضلت فی مبادیھا افھام المتفكرین وغرقت فی بحارھا عقول المتبحرین۔ وحقيقة الحق فيھا اعنی الحاق بين طرفی الافراط والتفريط سر من اسرار اللہ تعالیٰ التی لایطلع عليھا الاخواص عبادہ وھا انا بمعزل من ذلك۔ لكن اوردت مع العجز عن درك الادراك قدر ما وقفت عليه ووفقت لايرادہ" (تلویح توضیح مصری جلد ثانی ص۱۰۱)

یہ مسئلہ اصول فقہ کے بنیادی مسائل میں سے ہے نیز معقولات اور منقولات کے اہم مباحث میں سے ہے اس کے ساتھ ساتھ جبر و اختیار کے مسئلہ پر موقوف ہے، جس کے بیابانوں میں راسخین کے قدم بھی ڈگمگا گئے ہیں اور جس کے مبادی میں اہل فکر کی فہم و دانش گم راہ ہو گئی ہے، اور متبحرین فی العلم کی عقلیں غرق ہو گئی ہیں اور حق کی حقیقت یعنی اختیار کامل اور جبر محض کی افراط و تفریط کے درمیان جو امر واقعہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس پر وہ سوائے اپنے خاص بندوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا اور میں خواص عباد اللہ میں سے ہونے کے دعوے سے کنارہ کش ہوں۔ لیکن ادراک حقیقت سے عجز کے اعتراف کے ساتھ جس چیز پر میں واقف ہوا اور جس کے بیان کی مجھے توفیق ہوئی پیش کرتا ہوں۔

اس کے بعد انھوں نے دونوں فریقوں (اشاعرہ اور معتزلہ) کے مسلکوں کی توضیح کی ہے۔ بعد ازاں فرماتے ہیں:

"وقد خفی علی كلا الفريقين مواقع الغلط فيه وانا اسمعك ما سنح لخاطری وھذا مبنی علی اربع مقدمات"

اور دونوں فریقوں کی نظر سے مواقع غلط اوجھل ہو گئے اب جو کچھ میرے ذہن میں آیا ہے بتاتا ہوں اور یہ چار مقدموں پر موقوف ہے (ایضاً صفحہ ۱۰۸)

بعدازاں انھوں نے "مقدمات چہارگانہ" کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔

تلویح توضیح کے مقدمات اربعہ کے ساتھ علما کا اعتنا

تلویح توضیح کے مقدمات اربعہ کی ندرت کے پیش نظر یہ فطری امر تھا کہ یہ نیا اسلوب استدلال شروع ہی سے رد و قبول اور ایراد و اندفاع کا موضوع رہا ہو۔ عرصہ تک "تلویح توضیح" کے حواشی نویس دیگر متعلقات "تلویح" کے ساتھ ان "مقدمات اربعہ" کی شرح و تفسیر بھی کرتے رہے۔ مگر بعد میں اس بحث کی جلالت شان کے پیش نظر علما نے مستقلاً اسے بحث و تحقیق کا موضوع بنا دیا۔ چنانچہ طاش کبری زادہ نے لکھا ہے:

"وکان هو (مولی علاء الدین علی عربی) اوّل من کتب حاشیة علی المقدمات الاربع ثم کتب علیه المولی القسطلانی حاشیة ورد علیه فی بعض المواضع ثم کتب المولی حسن السامسونی ثم کتب المولی ابن الخطیب ثم کتب المولی ابن الحاج حسن"۔

مولی علاء الدین علی عربی نے سب سے پہلے "مقدمات اربعہ" پر حاشیہ لکھا۔ پھر مصلح الدین قسطلانی نے لکھا اور اس میں مولی علاء الدین پر اعتراض کیے۔ پھر خطیب زادہ نے حاشیہ لکھا پھر مولی ابن الحاج حسن نے۔

تلویح توضیح کے مقدمات اربعہ اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی

ہندوستان کے اندر علما نے عموماً پوری "تلویح توضیح" پر حواشی لکھے۔ مگر علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اس باب میں منفرد بتائے جاتے ہیں کہ انھوں نے "تلویح توضیح کے" مقدمات اربعہ" کو اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا۔

(ج) عقائد و علم الکلام

ا۔ حاشیہ شرح عقائد نسفی

عقائد نسفی اور اس کی مقبولیت

"عقائد پر جو بے شمار متون لکھے گئے، احناف کے یہاں ان میں سے "عقائد نسفی" کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ عقائد کے اس متن متین کے مصنف امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی (المتوفی ۵۳۷ھ) تھے۔ اکثر علما نے نام دار نے اس کی شرح کی۔ مثلاً شمس الدین ابوالثنا محمود بن احمد الاصفہانی (المتوفی ۷۴۹ھ)۔ جمال الدین محمود بن مسعود قونوی (المتوفی ۷۷۰ھ) شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن شیخ زین الدین ابوالعدل ملا زادہ ہروی خیر زمانی، علی بن احمد البخاری وغیرہم نے۔

شرح عقائد تفتازانی کی اہمیت

عقائد نسفی کی شروح میں سب سے زیادہ شرف قبول سعد الدین تفتازانی کی شرح کو نصیب ہوا جسے انھوں نے حسب تصریح کشف الظنون ۷۶۸ھ میں لکھا تھا۔ اس کے بعد جلد ہی یہ (علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی) مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہو گئی اور آج کے دن تک متداول ہے۔

علامہ سیالکوٹی اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان شرح العقائد النسفیة للملک القمقام والقرم الهمام العالم الربانی سعد الملة والدین التفتازانی لکونه خیر منتخب ومنتخب قد اشتهر بین الفحول و تناولته ایادی القبول۔

شرح عقائد نسفی جو مشہور عالم، فاضل اور جلیل القدر عالم ربانی مولانا سعد الدین تفتازانی کی تصنیف ہے اپنے منتخب روزگار اور بہترین شاہکار ہونے کی بنا پر علمائے فحول میں شہرت پا گئی ہے اور قبول عام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

شرح عقائد نسفی کے ساتھ علما کا اعتنا

اس قبول عام نے جلد ہی "تحشیہ" کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ اس کے بعد علامہ سیالکوٹی فرماتے ہیں:

"فاماطوا عنه الغواشی وکتبوا علیه الحواشی"۔ علما نے اس کے مکنونات کو ظاہر کیا اور اس پر حواشی لکھے

ان محشیوں کی فہرست بڑی طویل ہے:

علمائے روم میں سے سید احمد قرمی، ابن میناس، مولیٰ رمضان آفندی، مولیٰ احمد بن موسیٰ الخیالی، مصلح الدین قسطلانی، علاء الدین عربی، صلاح الدین، محی الدین بیرالوجہ، قراجہ احمد، مولیٰ یوسف حمیدی، حکیم شاہ قزوینی، محی الدین نکساری، تفسیری آفندی، محمد بن حمید کفوی، یوسف آفندی زادہ، احمد بن عبد اللہ قرمی، احمد البردعی، وغیرہم نے حواشی لکھے۔

روم سے باہر مصر و ایران میں عز الدین ابن جماعہ، مصلح الدین لاری، عبد اللطیف بن محمد بن ابی الفتح کرمانی اور عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائنی، "شرح عقائد تفتازانی" کے محشیوں میں مشہور ہیں۔

ہندوستان میں علم کلام

ہندوستان کے اندر شروع میں غالباً "تمہید ابو شکور سلمی" عقائد و کلام کے نصاب میں داخل تھی چنانچہ شیخ نظام الدینؒ نے اسے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا اور موخر الذکر نے انھیں جو خلافت نامہ

عطا کیا تھا اس میں اس کتاب کا خصوصیت سے ذکر ہے۔ اجازت نامہ کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

"نعم الکتاب فی ھذا الفن تمہید المہتدی لابی شکور برد اللہ مضجعہ۔ وقد قرأ عندی الولد الرشید الامام النقی العالم الرضی نظام الملۃ والدین محمد بن احمد زین الائمۃ والعلماء..... سبقاً بعد سبق من اولہ الی آخرہ قراءۃ تدبر وایقان وتحفظ واتقان.... اجزتہ ان یدرس فیہ للمتعلمین بشرط المجانبۃ عن التصحیف والغلط والتحریف و بذل الجھد الاجتھاد فی التصحیح والتنقیح عن الزلل۔

علم اصول (عقائد وکلام) میں سب کتابوں سے بہتر ابو شکور سلمی کی کتاب "تمہید المہتدی" ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈا رکھے۔ اور تحقیق کہ فرزند رشید امام پاک دین دیانت رائے اور دانش مند برگزیدہ نظام الملۃ والدین محمد بن احمد نے جو اماموں اور عالموں کے زیب وزینت دینے والے ہیں، مجھ سے اس کتاب کو پڑھا ہے..... سبقاً سبقاً اول سے آخر تک غور وفکر اور یقین کامل نیز بیدار مغزی اور اتقان واستواری کے ساتھ..... میں نے انہیں اجازت دی کہ وہ متعلمین کو اس کا درس دیں بشرطیکہ تصحیف وتحریف اور غلط سے احتراز کریں اور تصحیح وتنقیح میں انتہائی زیادہ کوشش کریں۔

بعد میں جب فیروز تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ) نے بالا بند سیری کے مقام پر ایک دوسرا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور امام نجم الدین سمرقندی کو اس کا صدر مدرس مقرر کیا تو چونکہ وہ شمس الدین سمرقندی صاحب "الصحائف فی الکلام" کے ہم وطن تھے لہذا غالباً اپنے ہمراہ درسی کتابوں کے ضمن میں "الصحائف" یا شرح الصحائف، کو بھی لائے ہوں گے۔ اس لیے اس کے بعد سے "صحائف" اور "شرح صحائف" کا رواج رہا ہوگا جو نویں صدی کے آخر تک علم کلام کے متداول درس میں آخری کتاب سمجھی جاتی تھی۔

شرح عقائد نسفی کی ہندوستان میں آمد

معقولات (منطق وکلام) سے بے توجہی نویں صدی کے آخر تک برقرار رہی۔ اسی زمانہ میں علمائے ملتان وسلطانپور (پنجاب) عجم جا کر میر سید شریف اور دیگر علمائے ایران سے پڑھ کر آئے اور وہاں کی معقولاتی روایات کو اپنے ہمراہ لائے۔ ملتان سے مولانا ثناءالدین شیراز میر سید شریف سے پڑھنے گئے تھے۔ واپسی میں آکر یہاں استاد کی روایات کی اشاعت کی۔ مولانا ثناءالدین کے شاگرد شیخ سماءالدینؒ (مصنف شرح لمعات) اور مولانا فتح اللہ تھے۔ موخرالذکر کے شاگرد عزیز اللہ طلبنی تھے۔ جو بعد میں

ہندوستان (سنبھل) چلے آئے تھے۔ شیخ عزیز اللہ کے ہم وطن شیخ عبداللہ طلبنی تھے جو عبداللہ یزدی کے شاگرد تھے۔ بہرحال طلبنہ کے یہ دونوں فاضل (مولانا عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ) ملتان کے ہرج مرج کے بعد شمالی ہندوستان چلے آئے اور یہاں آکر معقولات کی تعلیم کو خصوصیت سے رواج دیا۔ یہ سکندر لودی (۸۹۴ - ۹۲۳ھ) کا زمانہ تھا۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"از جملہ علمائے کبار در زمان سکندر شیخ عبداللہ تلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ تلبنی در سنبھل بودند۔ وایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند۔ وقبل ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق وکلام در ہند شائع نہ بود۔" (منتخب التواریخ جلد اول)

اس طرح ہندوستان میں ایک علمی انقلاب برپا ہوگیا۔ شیخ عبداللہ تلبنی کی جامعیت، تبحر علمی اور فیض رسانی کے بارے میں آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

"پیش رو علما است و قافلہ سالار فضلا۔ مستجمع معقول ومنقول و متکفل فروع و اصول۔ عمرہا در وطن مالوف بر چار بالش افادہ نشست و شش جہت را بہ نشر لوامع علوم منور ساخت۔" (مآثر الکرام صفحہ ۱۹۱)

اسی طرح بدایونی نے ان کی فیض رسانی کے بارے میں لکھا ہے:

"واز اساتذہ شنیدہ شد کہ زیادہ از چہل عالم تحریر متبحر از پائے دامن شیخ عبداللہ مثل میاں لاڈن و جمال خاں دہلوی و میاں شیخ لودی و میراں سید جلال بدایونی و دیگراں برخاستہ اند۔" (منتخب التواریخ صفحہ ۸۶)

شیخ عزیز اللہ کے ارشد تلامذہ میں میاں حاتم سنبھلی خصوصیت سے مشہور ہیں۔ ان کی جامعیت اور فضل وکمال کے بارے میں بدایونی رطب اللسان ہیں بلکہ انھوں نے منتخب التواریخ کی تیسری جلد میں جو علمائے کرام کا تذکرہ دیا ہے اس کا آغاز انھیں کے ذکر سے کیا ہے:

"ازاں جملہ استاد الاساتذہ میاں حاتم سنبھلی شاگرد میاں عزیز اللہ طلبنی است۔ ودریں قرن مثل او من حیث الجامعیۃ علی جامع المعقول والمنقول نہ گذشتہ خصوصاً درکلام و اصول وفقہ و عربیت۔" (منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۶۶)

میاں حاتم سنبھلی نے ۹۶۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا نام اس وجہ سے اور قابل ذکر ہے کہ ہم سب سے پہلے انھیں کے زمانہ میں "شرح عقائد نسفی" کا ذکر پاتے ہیں۔ یہ ہمایوں کا عہد تھا۔ اس زمانہ میں نووارد علماء میں جو مغل فاتحین کے ہمراہ آئے تھے ملا علاء الدین لاری کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا اور وہ ہندوستانی علما کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ملا علاء الدین لاری نے "شرح عقائد نسفی" پر

حاشیہ لکھ کر بڑے طمطراق کے ساتھ میاں حاتم سنبھلی کے تبصرے کے لیے پیش کیا۔ مگر انھوں نے اس پر ایسے دقیق اعتراضات وارد کیے کہ ملا علاءالدین سے جواب نہ بن پڑا۔ چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے:

"چوں ملا علاءالدین لاری بدعوی تمام حاشیۂ راکہ بر شرح عقائد نسفی نوشتہ، نزد میاں بردہ۔ بعد از مطالعہ چند ان دقیق کردہ اند کہ ملا علاءالدین را ہیچ جواب نماند۔" (منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۷۶)

اس طرح "شرح عقائد نسفی" کا ہندوستان میں رواج ہوا اور اگرچہ "شرح صحائف" فوراً ہی درس سے متاع کاسد بن کر خارج نہیں ہوگئی، کیوں کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور علامہ کے زمانہ میں مفتی عبدالسلام دیوی رحمہ اللہ نے اس پر حواشی لکھے۔ مگر زیادہ رواج "شرح عقائد تفتازانی" ہی کا رہا۔ اکثر علمائے کبار نے اس پر حواشی لکھے۔ ان میں ملا علاءالدین لاری، شیخ نظام بدخشی اور مولانا وجیہ الدین گجراتی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور شرح عقائد نسفی کا تحشیہ

اس تفصیل سے "شرح عقائد نسفی" اور اس پر تحشیہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی کاوش سے یہ کس طرح بچ سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بھی اس پر حاشیہ لکھا۔

مگر علامہ نے مولی خیالی کے "حاشیہ شرح عقائد نسفی" پر جو اپنے محشی کے نام پر "خیالی" ہی کے نام سے مشہور ہے، جو حاشیہ لکھا ہے، اس کی افادیت و مقبولیت کے آگے ان کا "حاشیہ شرح عقائد" ماند ہو کر رہ گیا اور اب مقدم الذکر ہی کا رواج ہے۔ (باقی آئندہ)